مختار مسعود کا انتقادی نقطہ نظر بحوالہ حسرت موہانی (شخصیت): تحقیق و تنقید

حفصہ گل (لیکچرار گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج ڈگر، بونیر)

ڈاکٹر سلمان علی (صدر، شعبہ اردو، جامعہ پشاور، پشاور)

Abstract:

This paper critically examines Mukhtar Masood's perspective on the personality of Maulana Hasrat Mohani as presented in Awaz-e-Dost. Masood, known for his balanced, scholarly, and insightful approach, evaluates Hasrat Mohani through literary, political, spiritual, and personal lenses. The study highlights Masood's view that Hasrat was a multidimensional figure who simultaneously excelled in politics, Sufism, and poetry. His resilience during imprisonment, unwavering commitment to truth, and active role in the freedom movement reflect a life of integrity, struggle, and moral courage. Masood's critique further uncovers Mohani's deep devotion to religious discipline, his spiritual progression, and his austere personal life. In the realm of poetry, Masood praises Hasrat's simplicity of language, spontaneous expression, innocent wit, and his successful integration of the Delhi and Lucknow literary traditions. He admires Hasrat's ability to portray love, longing, and inner emotional states with clarity and freshness, while maintaining modesty and sincerity. The paper also illustrates how Masood combines textual evidence with interpretive critique, revealing both his literary taste and deep understanding of poetic tradition. By analyzing themes such as love, longing, spiritual devotion, and the balance between softness and intensity, Masood presents a complete and dignified portrait of Hasrat Mohani. Overall, the study concludes that Mukhtar Masood's analysis not only enriches the understanding of Hasrat Mohani's character and poetry but also demonstrates Masood's own critical strength, objectivity, and refined literary sensibility.

Keywords: Mukhtar Masood, Maulana Hasrat Mohani, Awaz-e-Dost, politics, Sufism, and poetry, Hasrat Mohani's character and poetry.

مختار مسعود (۱۵ دسمبر ۱۹۲۶ء تا ۱۵ اپریل ۲۰۱۷ء) علم و ادب کے مانے ہوئے صاحب مطالعہ شخصیت ہیں۔ ان کا نقطہ نظر صائب، متوازن اور وقعت کا حامل ہے۔ علی گڑھ، تحریک پاکستان، ملکی و غیر ملکی امور سیاست و سلطنت کے قریبی مشاہدے اور ادب کے مطالعے کے زیر اثر ایک خاص نقطہ نظر پروان چڑھا اور اسی کے تحت انھوں نے مختلف شخصیات کے حوالے سے اپنے اس مخصوص انتقادی نقطہ نظر کو سامنے لایا۔ جس سے ان کے صاحب مطالعہ ہونے اور گہرے مشاہدے کے ساتھ ساتھ ان کی ذاتی زندگی کا عکس سامنے آتا ہے اور غیر جانبدار، غیر متعصب اور شخصیت شناس کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ مختار مسعود نے اپنی لازوال تخلیق آواز دوست (جنوری ۱۹۷۳ء) میں اپنی برس ہا برس کے علمی و ادبی اور تہذیبی و ثقافتی زندگی کے جیتے جاگتے مرقع پیش کیے ہیں۔ انھوں نے باقی شخصیات کے ساتھ ساتھ مولانا حسرت موہانی کی شخصیت کو اپنے مخصوص نقطہ نظر کی روشنی میں بیان کر کے نہ صرف اپنی تحریر کو

بلکہ مولانا حسرت موہانی کی شخصیت کو ایک نیا آب تاب دیا ہے کیونکہ مولانا حسرت موہانی کی شخصیت کے پس منظر اور پیش منظر کے بیان میں ایک پورے عہد کی سرگزشت سمیٹی ہے۔ شخصیت کسی فرد کے ذہنی جسمانی اور شخصی برتاؤ، رویوں، اوصاف اور کردار کے مجموعے کا نام ہے۔ اسی طرح یہ انسان کے ظاہری و باطنی صفات، نظریات، اخلاق۔ اقدار اور افعال، احساسات اور جذبات سے منسوب ہے۔ یعنی کسی بھی انسان کی ظاہری اور باطنی خوبیوں کے مرکب کو شخصیت کہا جاتا ہے۔ شخصیت اس شخص کی ہوتی ہے جو خود آگاہ ہو، باشعور اور صاحب کردار ہو اور اپنے خیالات کے تحرک کے مطابق خود کو بدلتا رہتا ہو اور اپنے جذبات کو متحرک کر کے عمل پر ابھارتا ہو۔

مختار مسعود نے مولانا حسرت موہانی کو اپنے مخصوص ادبی، سیاسی، مذہبی اور اصلاحی نقطہ نظر سے پرکھا اور ان کی شخصیت اور ان سے جڑے واقعات کو اپنے نظر اور نظریے سے دیکھا اور تجزیہ پیش کیا۔ مولانا حسرت موہانی کی شخصیت کے مختلف زاویوں کا ذکر کیا کہ یہ وہ شخصیت ہے جنھوں نے ہر کام میں، لکھنے میں اور بولنے میں اس امر کو ملحوظ رکھا کہ اس سے دین یا دنیا کا کوئی نہ کوئی فائدہ ہو اور اس دنیا سے مراد خواہشات کی دنیا نہیں بلکہ نوع انسان کی فراخ اور کشادہ دنیا ہے مختار مسعود نے اپنے مخصوص انتقادی نقطہ نظر سے حسرت موہانی کی زندگی کے مختلف گوشوں کو یوں سامنے لایا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "یہ شخص بھی عجیب ہے۔ چار بار جیل ہوئی ۱۱، حج کیے اور ۱۳ دیوان
> شاعری کے مرتب کیے۔ سیاسی ہنگاموں کا حساب اور عوامی تحریکوں کا شمار ناممکن
> ہے۔ ملک کے لیے آزادی مانگی تو کالج سے نکالے اور حوالات میں داخل کیے گئے۔
> کتب خانہ اور اردوئے معلی ضبط ہوا، نایاب قلمی نسخے پولیس ٹھیلوں پر لاد کے لے گئی
> ، مسودات ان کے سامنے جلا دیے گئے۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائی گئی اور پاؤں میں
> بیڑیاں ڈالی گئی۔"(۱)

حسرت موہانی کی زندگی عملی زندگی کا ایک نمونہ ہے۔ وہ صرف کہتے نہیں بلکہ پورے اخلاص کے ساتھ کر کے بھی دکھاتے ہیں۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی لیکن تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائی۔ کبھی اہل فرنگ سے خوف نہیں کھائی۔ سخت سے سخت حالات کا سامنا کیا لیکن اپنے کام سے پیچھے نہ ہٹے۔ مختار مسعود کے مطابق جنگ آزادی کے دو محاذ تھے، بحث و مباحثہ اور میدان عمل۔ حسرت موہانی ان لوگوں میں سے تھے جو دونوں محاذوں پر لڑے اور لڑتے ہوئے ان کو غیروں اور اپنوں سے جو زخم ملے حسرت نے ان کی پرواہ نہیں کی کیونکہ وہ اپنے ارادے کے پکے تھے ان کی طبیعت کی اس شدت کا ذکر مختار مسعود نے یوں کیا ہے:

"ان پر ہر دم کوئی نہ کوئی دھن سوار رہتی ہے۔ان کی طبیعت میں شدت بہت
ہے جو طرح طرح سے ظاہر ہوتی ہے۔وہ اگر کوئی رائے رکھیں گے تو انتہائی شدید، محنت
کریں گے تو شاقہ، سزا جھیلیں گے تو کڑی، راہ اختیار کریں گے تو پر خطر، حضر میں ہوں گے
تو عسرت میں بسر کریں گے."(۲)

حسرت کی طبیعت کی یہی سختی تھی جس کی وجہ سے اکثر لوگ ان کو سمجھ نہیں پائے ان کی طبیعت کی اس شدت اور ان کے استقامت کو اک ضدی طبیعت کی خصلت جان کر لوگ ان کے خلاف ہو گئے۔حسرت کی زندگی کا صرف یہ ایک رخ نہیں تھا بلکہ وہ بیک وقت زندگی کے تین رخوں پر گامزن رہے۔راہ سلوک۔،اہ سیاست اور راہ شاعری، کوئی اور عام آدمی ہوتا تو اتنی تلخی اور سختیوں کی وجہ سے کسی ایک رخ کو بھی مکمل طور پر بسر نہ کر پاتا لیکن حسرت نے ہر حوالے سے ایک مکمل اور کامیاب زندگی بسر کی اور راہ عمل پر گامزن رہے۔تینوں رخ آپس میں گڈمڈ نہ ہوئے اور وہ ایک توازن کے ساتھ ان سب میں بٹ کر بھی مکمل رہے اس حوالے سے مختار مسعود لکھتے ہیں:

"ادھر لوگوں میں دورخی تھی اور ادھر حسرت کی زندگی کے تین رخ تھے
۔سیاست، سلوک اور شاعری، سیاست کا تقاضا ہنگامہ پروری اور ہنگامہ پسندی تھا۔
سلوک کو سکون اور تنہائی کی ضرورت تھی شاعری کو بے فکری درکار تھی حسرت نے یہ
سارے تقاضے پورے کیے اور ایک مجموعہ اضداد بن گئے ان کی ذات کی تقسیم یوں ہوئی
کہ دماغ سیاست کو ملا، دل شاعری کو بخشا گیا اور پیشانی عبادت کے لیے وقف ہو گئی"(۳)

مختار مسعود نے اپنے مخصوص انتقادی نقطہ نظر سے حسرت موہانی کی شخصیت کے اس گوشے کو بے نقاب کیا کہ ان کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں تھا کیونکہ وہ مشکل پسند تھے ان کی شخصیت اس رعایت سے کبھی سنگ وخشت، کبھی گداز ونرم اور کبھی شوخ گستاخ۔حسرت ان تین سمتوں میں چلتے رہیں نہ کسی راہ سے بھٹکے اور نہ کسی منزل سے محروم رہے۔تقریریں باغیانہ کرتے تھے لیکن باغیانہ اشعار کہنے سے پرہیز کرتے۔شاعر جتنا نرم خو رہے لیڈر اتنا ہی تند خو۔حسرت کی شخصیت کے اس پہلو پر مختار مسعود کی رائے پر ضیا شاہد نے یوں تبصرہ کیا ہے:

"مختار مسعود مولانا حسرت موہانی تک پہنچتے ہیں، اللہ اللہ کیا شخصیت تھی، لوگ ٹو ان
ون ہوتے ہیں وہ تھری ان ون تھے۔پہنچے ہوئے صوفی، غزل گو شاعر اور مسلم لیگ
میں زمینداروں اور جاگیرداروں کے خلاف غریب کی آواز بنتے ہیں۔آپ ان کی
ڈاڑھی دیکھیں، عینک دیکھیں، ٹوپی دیکھیں اور پھر غزل گوئی کی عروج پر نظر ڈالیں۔

؎ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

مولانا حسرت کی زندگی کے ان تین پہلوؤں پر جو

روشنی مختار مسعود نے ڈالی ہے وہ کچھ انھی کا کام ہے۔"[۴]

ضیا شاہد نے مختار مسعود کے مضمون کا خلاصہ چند الفاظ میں بیان کر کے ان کی خوبیٔ تحریر کو سراہا ہے۔ کہ ایسا مضمون لکھنا مختار مسعود ہی کا کام ہے اور جو انھوں نے حسرت کی شخصیت پہ لکھا ہے ان کی شخصیت کو نیا رنگ دیا ہے۔

مولانا حسرت موہانی ایک پہنچے ہوئے صوفی تھے۔ مذہب کے معالے میں معاملے میں حسرت کا شوق شدت تک پہنچ گیا تھا ان کے مذہبی شوق کی شدت کا اظہار مختار مسعود نے یوں کیا ہے:

"شریعت کی پابندی ان کے لیے ایک معمولی بات تھی لہذا وہ طریقت کی کٹھن راہ پر جا نکلے۔ سفر ہو کہ حضر، گھر ہو کہ جیل وہ ریاضات اور مجاہدات میں مصروف رہے۔ مکاشفات کی مختلف منازل سے گزرے اور رشد و ہدایت کے مختلف مدارج طے کرنے کے بعد خلافت تک جا پہنچے۔ آخری منزل انھیں جیل میں جا کر ملی۔ بیعت کرنے میں وہ ہر سالک سے آگے تھے اور جب اجازت ملی تو بیعت لینے میں کسی شیخ سے پیچھے نہ رہے"[۵]

مذہبی حوالے سے بھی انھوں نے اپنے لیے کٹھن راہ کا چناؤ کیا اور پھر اسے شوق اور عشق بنا کر اور آگے اور آگے بڑھ رہے تھے۔ خود مختار مسعود کی شخصیت میں یہ چیز موجود تھی اس لیے حسرت موہانی کی شخصیت کے اس پہلو کو انھوں نے اپنے تنقیدی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہوئے سراہا ہے۔

راہِ سلوک پر بات کرتے کرتے قوالی سے ہوتے ہوئے مختار مسعود نے حسرت موہانی کی شاعرانہ خصوصیات کا تنقیدی جائزہ لیا۔ تخلیقی، توضیحی اور اطلاقی تنقید کے بہترین نمونے پیش کیے جن سے نہ صرف حسرت موہانی کی شاعرانہ خوبیاں سامنے آئی ہیں بلکہ خود مختار مسعود کی ذوقِ شاعری اور گہرے مطالعے کے ساتھ ساتھ روایت وجدت پر دسترس بھی سامنے آتا ہے جس سے مختار مسعود کی صائب اور متوازن رائے کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ مختار مسعود کی رائے خالص علمی ہوتی ہے اور ان کا اسلوب خالص ادبی ہوتا ہے۔ اس حوالے سے کرنل محمد خان لکھتے ہیں:

"آوازِ دوست بنیادی طور پر ایک خالص علمی بلکہ نیم آسمانی سی کتاب معلوم ہوتی ہے اور موضوع کی طہارت کی وجہ سے ہم اسے بے وضو چھو بھی نہیں سکتے۔"[۶]

کرنل محمد خان کی اس رائے کی روشنی میں جب ہم مولانا حسرت موہانی کے بارے میں لکھ کے گئے اس مضمون کا تجزیہ کرتے ہیں اور حسرت موہانی کی شاعری کہ تجزیے کو دیکھتے ہیں تو مختار مسعود کے متوازن رائے کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ حسرت کی شاعری کا تجزیہ کرنے سے پہلے مختار مسعود نے اپنے مخصوص انداز میں ان کا حلیہ بیان کیا ہے اور اپنی رائے دی ہے کہ ضروری نہیں جو پہلی نظر میں دکھائی دے اور ہم اپنی رائے قائم کریں کبھی کبھی ہماری رائے غلط ثابت ہو جاتی ہیں جب شخصیت کے مختلف رنگ ہمارے سامنے آجاتے ہیں اور حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"جب میں نے حسرت کو پہلی بار شاعر کی حیثیت سے دیکھا تو اپنی انکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ وضع قطع بے ڈھب، جسم بے ڈول، لباس بے طور، اواز ناخوش ان کی ذات میں اتنا کھر دراپن نظر ایا کہ پاس جاتے ہی چھل جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ شاعرانہ بانکپن کا ان کی صورت شکل اور رہن سہن سے کوئی واسطہ نہ تھا بلکہ تعجب ہوتا کہ نازک خیالی اور شوخی نے اپنے ٹکانے کے لیے کیسا اجاڑ مکان منتخب کیا ہے۔۔۔ کھدر کی اچکن میں دوہرے بدن والا، بال بڑھائے، پچکی ٹوپی پہنے، ٹوٹی کمانی کی عینک لگائے، بیٹھی ہوئی اواز سے باتیں کر رہا ہے وہی رئیس المتغزلین حسرت موہانی ہے۔ پہلی نظر میں صرف اتنا دیکھا کہ اس شخص پر حسرت برستی ہے اور اس شاعر کا قافیہ عسرت سے ملتا ہے۔"[۷]

حسرت کی سادگی دنیا سے بیزاری اور قناعت کی وجہ قومی کاموں کی مصروفیت تھی۔ شاعر کمال کے تھے لیکن حلیہ شاعر جیسا نہیں تھا لیکن شاعری اس دل جمعی سے کی گویا وہ اس کے لیے پیدا ہوئے ہوں اور باقی کوئی کام یا دلچسپی ہی نہ ہو۔ مختار مسعود نے ان کے موضوعات کا ذکر کیا ہے کہ شاعری کو سیاست سے بچایا اور طریقت کا تذکرہ صرف اتنا ہے کہ ان کے شوق کی نشاندہی ہو۔ یہ دو مضامین نکالے جائیں تو خالص غزل کے شعر رہ جاتے ہیں اور یہ غزل کی خوش قسمتی تھی کیونکہ انھوں نے شاعری کے دو مکاتیب کی خوبیوں کو باہم جمع کر کے غزل کا ذائقہ بدلا اور بہتر بنایا۔ اس حوالے سے مختار مسعود نے جو تنقیدی تجزیہ کیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

"حسرت کے سامنے شاعری کے دو مستند مدرسے تھے، دہلی اور لکھنو۔ ایک بیان کی وجہ سے ممتاز تھا اور دوسرا زبان کی خاطر، حسرت نے اپنی اس عادت کے خلاف جس کا اظہار وہ سیاست یا سلوک میں کیا کرتے تھے شاعری میں میانہ روی اختیار کرلی۔ کچھ خوبیاں دلی سے جمع کی اور کچھ لکھنو سے انہیں ملا کر اپنی شاعری کا قوام تیار کیا۔"[۸]

حسرت موہانی نے زبان و بیان کے حوالے سے سادگی اختیار کی جو ان کی زندگی کا سلیقہ تھا وہ خود لکھتے ہیں:

سہل کہتا ہوں ممتنع حسرت

نغز گوئی میر اشعار نہیں[۹]

حسرت کے اس شعر پر ان کی شاعری پوری اترتی ہے سہل ممتنع سے کام لے کر زبان و بیان کو نہ عامیانہ بنایا اور نہ ہی اسے مفرس و معرب بنا کر آور دبنایا۔ دہلی کی غرابت سے بچے رہے اور لکھنو کی ضلع جگت اور بد مذاقی سے۔ عربی و فارسی پر دسترس ہونے کے باوجود اپنی شاعری کو اس دائرے میں آنے نہیں دیا سلیس اردو کا استعمال کر کے سادگی بر جستگی اور معصوم شوخی کا ایک خوبصورت رنگ سامنے لے آئے۔ مختار مسعود نے ان کی شاعری کا انتقادی جائزہ لیتے ہوئے ان کی اس خوبی کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

"سادہ زبان منتخب کرنے کے بعد حسرت نے بیان کا مرحلہ بھی سادگی سے طے کر لیا۔ ان کے بیان کی دو خوبیاں ہیں، کھری بر جستگی اور معصوم شوخی۔ وہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں اسے صاف صاف بیان کرتے ہیں کہ یہ محسوسات حسن و عشق کی مجازی دنیا سے متعلق ہے اور ان کا ادراک دروں بینی سے ہوتا ہے۔ ان کے دل میں جھانکنے پر جو کچھ نظر آتا ہے اسے بر ملا شعر میں بیان کر دیتے ہیں اور اپنے احساس کی پس منظر میں کسی فلسفے یا واقعیت کی تلاش نہیں کرتے۔ ان کا شعر قیاسی نہیں واقعاتی ہے ان کا بیان مبہم نہیں مترشح ہے، وہ بجھاوت نہیں ممتنع کہتے ہیں۔"[۱۰]

مختار مسعود نے اپنی تنقید کی دیوار کو ٹھوس دلائل پر کھڑا کیا۔ وہ اپنی ہر بات کو ثابت کرنے کے لیے حوالہ بھی دیتے ہیں۔ یہاں بھی اپنی اس بات کو وضاحتی پیرائے میں بیان کرتے ہوئے ساتھ میں غزل بھی بطور حوالہ دے دیا ہے ملاحظہ ہو:

لایا ہے دل پر کتنی خرابی

اے یار تیرا حسن شرابی

پیرہن اس کا ہے سادہ رنگیں

یا عکس مے سے شیشہ گلابی

عشرت کی شب کا وہ دور آخر

نور سحر کی وہ لاجوابی

پھرتی ہے اب تک دل کی نظر میں

کیفیت ان کی وہ نیم خوابی

بزم طرب ہے وہ بزم، کیوں ہو

ہم غمزدوں کو واں باریابی

اس نازنین نے باوصف عصمت

کی وصل کی شب وہ بے حجابی

شوق اپنی بھولا گستاخ دستی

دل ساری شوخی حاضر جوابی

وہ روئے زیبا ہے جان خوبی

ہے وصف جس کے سارے کتابی

اس قید غم پہ قربان حسرت

عالی جناب گردوں رکابی"(۱۱)

اس غزل سے نہ صرف حسرت کی سادہ زبان بلکہ ان کے فکر کے زاویے بھی نمایاں ہوئے ہیں۔ حسرت کا خاصہ یہ تھا کہ شعر برجستہ، بحر سادہ ،موضوع روایتی، خیال اکثر شوخ، بیان گاہے رنگین۔ ان تمام خوبیوں کا عکس اس غزل میں ملتا ہے۔ خود مختار مسعود نے حسرت کی داستان کو حسن عشق کی ایک گھریلو داستان کہا ہے کہ ان کی شوخی میں سچائی کی جھلک نظر آتی ہے وہ اس شوخی میں میانہ روی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ نہ ہی انھوں نے خوش مذاقی کا خون کیا ہے اور نہ ہی احتیاط زیادہ کر کے ارمانوں کا خون کیا ہے۔ مختار مسعود ان کی شاعرانہ معصومیت اور شوخی کا ذکر کرتے ہوئے ان چند خیالات کو بھی نہیں بھولے جن میں انھوں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑا ہے لیکن وہ ن ہونے کے برابر ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"اظہار پر خرد سے زیادہ معصومیت کا پہرا ہے۔ ان چند اشعار کو چھوڑ کر جس میں رضائی
کے حائل ہونے، منھ سے پان چھین لینے اور بند قبا کے وا ہو جانے کا ذکر ہے۔ حسرت کی رنگین بیانی
اہمال سے بالکل پاک ہے۔ ان کی شوخی ایسے نوخیز جذبات کی ترجمانی سے پیدا ہوئی تھی جن کا

خاموش تجربہ ان نوجوانوں کو ہوتا ہے جو شہر کی گنجان آباد محلوں میں متوسط طبقے کے پردہ دار گھرانوں کی بے پردگی کے قصے، غرفے سے آنکھیں لڑانا، دانتوں میں انگلی دبانا، دوپٹے سے منھ چھپانا، کوٹے پر ننگے پاؤں آنا، مہندی لگا کے بے دست و پا ہونا، موقع شناس عاشق کا چھیڑنا اور گدگدانا، پہلے منانا اور پھر منا کر روٹھ جانا۔ ایسے تجربات ہیں جنھیں ان دنوں جانتے تو سب تھے مگر زبان صرف حسرت نے دی ہے۔ یہ محسوسات حسرت کے ان الفاظ میں عیش فراغت اور ناواقفیت کے مزے ہیں اور عہد ہوس کا فسانہ انھی سے عبارت ہے۔ وہ آغاز الفت کو یاد کرتے ہوئے اپنے شوق سے سوال کرتے ہیں:

اے شوق کی بے باکی وہ کیا تیری خواہش تھی

جس پر انھیں غصہ ہے انکار بھی حیرت بھی

دیوان حسرت میں اگر محبوب کے ہاتھ پابند حنا ملتے ہیں تو شاعر کا بیان پابند حیا ملتا ہے۔"[۱۲]

مختار مسعود نے صرف ان شخصیات کو چنا ہے جن سے وہ متاثر ہوئے ہوں اور جو ان کے معیار پر پورے اترے تھے۔ حسرت کا شمار بھی ان میں سے ہے۔ مختار مسعود نے جن کا انتخاب کیا پھر ان کی اگر کوئی کمی تھی بھی تو اس کی طرف اشارہ کر کے پھر اس کے لیے دلیل ڈھونڈھ کے انھیں پھر اسی رتبے پر لے کر آتے ہیں۔ حسرت کے باب میں بھی یہی کیا کہ ان کی شاعرانہ شوخیوں کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ اگر محبوب کا ہاتھ پابند حنا ہے تو شاعر کا بیان پابند حیا ہے وہ ایک کھرا عاشق ہے اور تصنع سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ دل سے بات نکلتی ہے اس لیے دل میں اتر جاتی ہے اور زبان خلق پر چڑھ جاتی ہے۔ مختار مسعود نے ان کے تین شعر بطور مثال دیے ہیں جو ضرب المثل بن چکے ہیں:۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد

جو چاہے اپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

رہنا تھا ان کا ہو کے رہے جو عزیز خلق

ہم کیا رہے کہ طبع جہاں پر گراں رہے

صحتیں لاکھوں میری بیماری غم پر نثار

جس میں اٹھے بارہا ان کی عیادت کے مزے[۱۳]

اس طرح کے برجستہ اشعار جو ضرب المثل ہیں دیوان حسرت میں ان کی کوئی کمی نہیں ہے جابجا ملتے ہیں۔ مختار مسعود نے حسرت کی شاعری کا تنقیدی جائزہ اپنے مخصوص انداز میں روانی کے ساتھ لیا ہے لیکن اس سے ان کے شعر و ادب پر دسترس اور مطالعہ سامنے آتا ہے وہ نہ صرف شاعر کی بے جا تعریف کرتے ہیں بلکہ اشعار کا نمونہ دکھا کر اطلاقی اور توضیحی تنقید کے بہترین نمونے بھی پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح حسرت کے کلام پر بات کرتے ہوئے انھوں نے اس میں روایت کی پابندی کے ساتھ ساتھ نئے پن کا بھی ذکر کیا ہے جس سے انداز بیاں اور بن جاتا ہے۔ اور حسرت اس میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔ اس کے لیے مختار مسعود نے ان کی شاعری سے وہ کیفیت اٹھائی ہے جب محبوب سامنے آتا ہے اور عاشق کی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ حسرت کا شعر ملاحظہ ہو:

اب ان سے کہو آرزوئے شوق نہ حسرت

وہ حسنِ بیاں آج کہاں گم ہے تمہارا(۱۴)

اسی شعر کے بارے میں مختار مسعود لکھتے ہیں:

"ان کا مضمون پیش پا افتادہ مگر ان کا بیان تازہ تر تھا۔ اردو میں کتنے ہی شعراء نے رعبِ حسن کی اس کیفیت کا ذکر کیا ہے جس میں محبوب کے سامنے آنے پر عاشق کی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور کہنے سننے کے سارے ارمان دل ہی دل میں رہ جاتے ہیں۔"(۱۵)

اسی طرح غم انتظار پر بھی اپنی تنقیدی رائے دیتے ہوئے مختار مسعود نے حسرت موہانی کی انفرادیت کو نمایاں کیا ہے کہ یہ موضوع بظاہر تو ہر شاعر کے ہاں ملتا ہے اور اس پر لاتعداد شعر لکھے گئے ہیں لیکن حسرت کا یہ فلسفہ غم انہیں ویرانی اور وحشت کی طرف نہیں لے جاتا بلکہ ان کے نہال فکر کو سرسبز اور کشت خیال کو سیراب کرتا ہے۔

مثال اس شعر سے دیتے ہیں:

کس قدر سبز و تر ہے کشت خیال

گریۂ انتظار ہے شاداب(۱۶)

حسرت کے ہاں انتظار کا غم تکلیف دہ نہیں کیونکہ وہ غموں اور سختیوں کی انتہا سے گزر چکے ہیں وہ غم کو خوشیوں سے مربوط کرتے ہیں غزل ملاحظہ ہو جو انھوں نے اپنی بیگم کے انتقال پر لکھی ہے:

"غیر ممکن ہے تیرے بعد ہوس

دل کسی اور سے لگانے کی

مٹ گئی اپ بھی مٹا کے تجھے

سختیاں خود بخود زمانے کی

اب نہ وہ دل نہ وہ ذخیرہ شوق

توڑ دوں کنجیاں خزانے کی

ان کے بعد اب وہ کیا ہوئی حسرت

دل فریبی ترے فسانے کی"(۱۷)

اس غزل کے حوالے سے مختار مسعود لکھتے ہیں:

"چونکہ حسرت غم کا تعلق بیتی ہوئی خوشیوں سے قائم کر لیتے ہیں اس لیے ان کے یہاں غم کو برداشت کرنے کی ہمت اور اس سے سمجھوتہ کرنے کا سلیقہ ملتا ہے اس کی بہترین مثال ان اشعار میں ملتی ہے۔"(۱۸)

مختار مسعود نے غم کو اسی طرح خوشی سے جوڑنے اور انتظار کی کیفیت کو شادابی کی کیفیت میں ڈالنے والی خصوصیت کو سراہا ہے۔حسرت کی شخصیت اور ان کی شاعری کے انتقادی تجزئے سے بطور نقاد مختار مسعود کی نقادانہ خوبیاں بھی کھل کر سامنے آگئی ہیں۔ایک نقاد کے لیے صاحب مطالعہ ہونا ضروری ہے اور مختار مسعود اس پر پورا اترتے ہیں۔اسی طرح نقاد کو غیر متعصب ہونا چاہیے اور مختار مسعود کی یہی خوبی ہر جگہ پر موجود ہے وہ جو محسوس کرتے ہیں وہی کھل کر بیان کرتے ہیں۔ جملے سے جملہ نکالتے ہیں مضمون سے مضمون نکالتے ہیں اور آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ مختار مسعود کے اسی طرح جملے پہ جملہ اور ایک خیال سے دوسرا خیال نکالنے کی خوبی کا ڈاکٹر وزیر آغا نے ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

"حرف لفظوں میں لفظ سطروں میں اور سطریں ایک دوسری میں اس تیزی کے ساتھ
مدغم ہوتی ہیں کہ قاری کو محسوس ہوتا ہے جیسے اسے پر عطا ہو گئے ہوں۔"(۱۹)

مختار مسعود کی تخلیقات کے مطالعے کے بعد وزیر آغا کی یہ بات حرف بہ حرف درست ثابت ہوتی ہے۔ بحیثیت مجموعی اگر دیکھا جائے تو مختار مسعود نے حسرت موہانی کی شخصیت کے مختلف زاویوں کا تنقیدی جائزہ اس طرح لیا ہے کہ حسرت موہانی کی شخصیت کے کئی رنگ سامنے آئے ہیں۔ ان کی سخت جانی، مشکل پسندی اور شاعری کا اس طرح جائزہ لیا ہے کہ مختار مسعود کی اپنی پسندیدگی، مطالعہ, مشاہدہ اور حسرت موہانی جیسی شخصیت سے محبت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات:

مصنف، کتاب، جگہ، ادارہ، سال، صفحہ

۱۔ مختار مسعود، آواز دوست، لاہور، شیخ عطاالله ٹرسٹ، ۲۰۱۹ء، ص ۱۱۲

۲۔ ایضاً، ص ۱۱۳

۳۔ ایضاً، ص ۱۱۴

۴۔ ضیا شاہد، "اور اب مختار مسعود" مشمولہ صاحب آواز دوست از امر شاہد، جہلم، بک کارنر، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۲

۵۔ مختار مسعود، آواز دوست، محولہ بالا، ص ۱۱۵

۶۔ کرنل محمد خان، آواز دوست —— میری رائے میں، مشمولہ صاحب آواز دوست از امر شاہد، محولہ بالا، ص ۲۰۳

۷۔ مختار مسعود، آواز دوست، محولہ بالا، ص ۱۱۷

۸۔ مختار مسعود، آواز دوست، محولہ بالا، ص ۱۲۰

۹۔ حسرت موہانی، کلیات حسرت موہانی، کراچی، ماس پرنٹرز، ۱۹۹۷ء، ص ۴۸۵

۱۰۔ حسرت موہانی، مشمولہ آواز دوست از مختار مسعود، محولہ بالا، ص ۱۲۱

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۱۲۔ مختار مسعود، آواز دوست، محولہ بالا، ص ۱۲۲

۱۳۔ حسرت موہانی، مشمولہ آواز دوست از مختار مسعود، محولہ بالا، ص ۱۲۳

۱۴۔ حسرت موہانی، کلیات حسرت موہانی، لاہور، کتاب منزل، ۱۹۵۹ء، ص ۱۲

۱۵۔ مختار مسعود، آواز دوست، محولہ بالا، ص ۱۲۳

۱۶۔ حسرت موہانی، کلیات حسرت موہانی، لاہور، محولہ بالا، ص ۱۶

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۶۸

۱۸۔ مختار مسعود، آواز دوست، محولہ بالا، ص ۱۲۴

۱۹۔وزیر آغا، آواز دوست ——میری رائے میں، مشمولہ صاحب آواز دوست از امر شاہد، محولہ بالا، ص۲۰۳